پلڈاٹ

بیک گراونڈ پیپر

گلگت بلتستان میں فرقہ وارنہ تنازعہ

پلڈاٹ
پاکستان انسٹیٹیوٹ آف
لیجسلیٹو ڈویلپمنٹ
اینڈ ٹرانسپیرنسی

گلگت بلتستان میں فرقہ وارانہ تنازعہ

بیک گراونڈ

فرقہ واریت پاکستان میں وجہ تنازعہ رہی ہے۔برطانوی راج میں جب تنازعہ قومیتوں کی سطح پر آپہنچا اور فرقہ وارانہ تشدد میں عوام اور عالم دین ایک جیسے شریک ہو گئے تاہم ریاست سیکولر اور غیر نمائندہ تھی اس لیے شناخت کے لیے فرقہ وارانہ تشخص کا استعمال کم تھا۔تقسیم سے پہلے موجودہ پاکستان کے علاقوں میں پیروں اور صوفیوں کے اثرات کی وجہ سے سنی شیعہ فساد نہ ہونے کے برابر تھا۔تقسیم کے بعد شدید فرقہ وارانہ تنازعات والے علاقوں سے مہاجرین کی آمد کے باوجود سنی شیعہ کے تعلقات صدیوں پرانے عدم اعتماد اور شکوک و شبہات کی وجہ محرم کے دنوں میں معمولی جھگڑوں کے سوا نارمل ہی رہے۔ریاست غیر جانبدار تھی اور کوئی فرقہ وارانہ ایجنڈا نہ تھا۔1950 سے 1970 کی دہائیوں کے درمیان اسلام کی تعریف پر (ختم نبوت) اور احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینے پر سنیوں اور شیعوں کے مابین اتفاق رائے سے اس تاثر کو فروغ ملا کہ برصغیر کے اسلام میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا اہم عنصر برقرار ہے۔دونوں فرقوں میں معمولی اختلافات کے باوجود دونوں اطراف سے برداشت اور رواداری برقرار رکھی گئی۔

پاکستان میں فرقہ وارانہ تشدد کو ہوا 1979 کے انقلاب ایران اور جنرل ضیاء الحق کے اسلامائزیشن کے منصوبے سے ملی۔پاکستان میں شیعوں کو ایران کے واقعات سے ہمت ملی (ریاست اور معاشرے میں زیادہ اہم کردار کے لیے)۔شیعوں اور سنیوں میں جنگ جلد بڑے معرکے میں تبدیل ہوگئی۔ضیاء الحق کے واضح سنی رجحان کے اسلامائزیشن پر زور سے دونوں فرقوں کے اختلافات کھل کر سامنے آگئے۔اگلے سالوں میں سنی وہابی فرقہ کے فروغ میں سعودی عرب،عراق اور دیگر خلیجی ممالک نے اہم کردار ادا کیا اور افغانستان کے کٹر مذہبی رجحانات والے گروہوں کی پاکستان کی داخلی سیاست میں مداخلت سے فرقہ وارانہ تنازعہ مزید زور پکڑ گیا۔

ضیاء الحق کے سعودی رجحانات کی نقالی اور ریاستی سپانسر اسلامائزیشن نے،جس میں حکومت کی ادائیگی زکوٰۃ کو کرنے پر زور دیا گیا،پاکستان کے شیعہ اور ایران میں بے چینی پیدا کردی۔تب سے فرقہ وارانہ ٹینشن نے شیعہ ایران اور سنی پاکستان کے تعلقات کو متاثر کیا۔فرقہ وارانہ تلخی کا عروج 90 کی دہائی کے آغاز میں ہوا جب ایک ایرانی سفارت کار صادق گنجی کو لاہور میں قتل کردیا گیا۔بعد میں 1997 میں پانچ ایرانی ائرفورس کیڈٹس کو راولپنڈی میں کام پر جاتے ہوئے قتل کردیا گیا۔

80 کی دہائی کے آغاز سے جب پاکستان میں فرقہ وارانہ تشدد نے زور پکڑا۔تشدد میں تیزی نے دونوں طرف تفرقہ مزید بڑھادیا۔ایک دوسرے کی مکمل بربادی کی پالیسی نے یہاں تک پہنچا دیا کہ کچھ شیعہ اور سنی گروہوں نے ایک دوسرے کو غیر مسلم کہنا شروع کردیا۔1989 سے اپریل 2011 تک فرقہ وارانہ تشدد نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لیے رکھا جس سے 7594 جانیں ضائع ہوئیں جن میں زیادہ تر شیعوں کی تھیں۔

سیاق وسباق اور پیپر کی ساخت

پاکستان میں فرقہ وارانہ تشدد کا اہم نکتہ یہ ہے کہ ایک نظریہ ہونے کے باوجود مختلف خصلتوں لوگ ہیں جن میں مختلف خطوں کی سماجی ونفسیاتی اور معاشی ومعاشرتی حالات کی وجہ سے فرق ہے۔مثال کے طور پر جھنگ (پنجاب)،کراچی (سندھ)،کوئٹہ (بلوچستان)،پشاور،کوہاٹ،ہنگو اور ڈی آئی خان (خیبر پختونخواہ)،گلگت اور سکردو (گلگت بلتستان) اور پاراچنار (کرم ایجنسی) جو اپنے متنوع سماجی ڈھانچے کی وجہ سے مخصوص عمرانی نظریات کے حامل ہیں۔

گلگت بلتستان کے علاوہ دیگر تمام منظر عام پر رہے۔ دوردراز علاقہ ہونے کی وجہ سے اور کارگل جنگ میں جغرافیائی سیاست کا مرکز بننے پر بھی گلگت بلتستان میں بے چینی ادب اور باخبر حلقوں میں وہ توجہ حاصل نہیں کرسکا۔ اس کے علاوہ ایک تاثر یہ بھی ہے کہ گلگت بلتستان میں فرقہ واریت ملک کے دوسرے حصوں کی نسب کم پر تشدد ہے۔ یہ بھی اس طرف توجہ نہ دیئے جانے کی ایک وجہ ہوسکتی ہے۔ پاکستان میں فرقہ واریت پر مقامی اور بیرون ملک کے لکھاری ایک جیسے ہیں۔ کسی واقعہ کی کوریج کرنے والے میڈیا یا کسی تحقیقی کام میں ریفرنس کے علاوہ گلگت بلتستان میں چیس اسٹڈیز میں کسی حد تک جگہ پائی ہے۔ یہ بیک گراونڈ پیپر اس خلا کو پر کرنے کی ایک کوشش ہے جس میں گلگت بلتستان کے فرقہ وارانہ تنازعہ کے اہم عناصر کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ ایشو قانون سازوں کی خصوصی توجہ کا طالب ہے۔ اس لیے پلڈاٹ کی تنازعات کے حل کے لیے کی جانے والے ورکشاپس کی سیریز کا حصہ بنایا گیا جس کا مقصد منتخب نمائندوں کو اہم قومی وعلاقائی امور پر آگاہی فراہم اور ان کی تنازعات کے حل کی صلاحیت میں بہتری لانا ہے۔

پیپر کا آغاز خطے اور خصوصا اس کے داخلی دروازے گلگت کی بشریاتی بناوٹ کے ذریعے مقامی عمرانی جائزے سے ہوا۔ یہ بہت ضروری ہے کہ پورے مسئلے کا اسلام کی آمد اور خطے میں اس کے پھیلاو کا سیاق وسباق سے جائزہ لیا جائے۔

اس مقالہ میں تاریخی پس منظر میں اس تنازعہ کے ظہور میں آنے سے اب تک کا جائزہ لیا گیا ہے۔ کئی اسٹیک ہولڈرز کے مختلف نکتہ نظر کو پیش کیا گیا ہے۔ مختلف مرکزی حکومتوں کے سماجی ماحول کو ڈھالنے میں کردار اور مقامی حالات پر بیرونی محرکات کا اثرات ابھی جائزہ لیا گیا ہے۔ غیر جانبداری کو برقرار رکھنے کے لیے مختلف اسباب کو پیش کرتے ہوئے تشریحات میں احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ پیپر کسی کا نقطہ نظر نہیں ہے۔ تاہم اس میں متنازعہ اور غیر حقیقی نکتہ نظر اور تحریروں کو پیش کرنے میں احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ اس میں ہر ممکن طور پر تمام پہلووں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

گلگت بلتستان کا سماجی ڈھانچہ

گلگت بلتستان کی اس وقت اندازہ 2.024 ملین آبادی ہے۔ یہ آبادی کئی لسانی گروہوں اور قبیلوں کا مغلوبہ ہے جو بنیادی انسانی سہولتوں اور سخت موسمی حالات کے باوجود بہترین رواداری سے رہ رہے تھے۔ ان سب نے ڈوگرہ راج کے خلاف آزادی کی جنگ لڑی اور 1947 میں آزادی حاصل کی۔ خطے میں مذہبی تعلق بھی ایک جیسا نہیں۔ کئی چھوٹے قصبے ہیں جبکہ 86 فیصد آبادی دیہاتوں میں رہتی ہے اور اوسط زمین کی ملکیت کافی تھوڑی ہے۔ تاریخی طور پر گلگت بلتستان کے عوام امن پسند ہیں۔ خطے میں بہت سی بین السانی اور بین القبائل شادیاں ہوئی ہیں اور روایتی طور پر لسانی بندھن اور قبائلی وفاداریاں فرقہ وارانہ تشخص پر حاوی رہی ہیں۔

گلگت بلتستان انتظامی طور پر دو ڈویژن پر مشتمل ہے جن میں سات اضلاع ہیں ان میں دو اضلاع سکردو اور گھانچے بلتستان میں جبکہ پانچ اضلاع گلگت، گزر، دیا میر، استور اور ہنزہ نگر گلگت ڈویژن کا حصہ ہیں۔

ڈاکٹر سبر رتو رائے (Subroto Roy) کے مطابق تاریخی طور پر سار گن یا سار گن گلت جنہیں بعد میں سکھوں اور ڈوگروں نے گلگت میں بدل دیا یہاں کے قدیم لوگ تھے جو متروک داردک (Dardic) زبان بولتے تھے جو ایرانی اور سنسکرت کے درمیان تھی۔ گلگت پر تاریخی طور پر ہندو راجوں تراکھان (Trakhane) نے حکومت کی۔ جب وہ کمزور پڑ گئے تو گلگت وادی پر ہمسائیہ حکمرانوں نے مسلسل حملے کیا اور 1842 سے پہلے کے بیس تیس سالوں میں پانچ سلطنتیں تبدیل ہوئیں۔

کرنل ڈیوڈ لوریمر (avid Lorimer) نے میر آف ہنزہ کے بیٹے محمد غنی خان کی طرف سے بھیجی گئی تحریر کو شائع کیا جس کے مطابق شری بادات (Shri Badat) ہنزہ کے میر سلسلے کے بانی تھے۔ دیگر ذرائع حکمرانوں کی شناخت اور ان کی مدت کے معاملے پر ڈاکٹر رائے سے اختلاف کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر قابل بھروسہ تحریروں سے پتا چلتا ہے

کہ گلگت کے ہندو نہیں بلکہ بدھ بادشاہ تھے۔ ولیم جون بڈولف (John Biddulph)، گلگت میں پہلا برطانوی پولیٹیکل ایجنٹ، کا کہنا ہے کہ گلگت میں اسلام سے پہلے کے تمام حکمران شاہریز کے نام سے جانے جاتے تھے جن کا خطاب راتھا۔ ان میں سے ایک بادشاہ کا نام ترا کھان تھا۔ مسلمان جنگجو جس نے شری بادات کی حکومت کا خاتمہ کیا (تیرہویں صدی کے آس پاس) نے یہ نام اختیار کیا اور اس کی سلطنت ترا کھان کے نام سے مشہور ہوئی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ہنزہ اور نگر کے حکمران اپنا تعلق ترا کھان سلطنت سے جوڑتے ہیں نہ کہ شری بادات سے۔ وہ ایران کے کیانی شہزادہ آزر جمشید (شمشیر کے نام سے بھی جانا جاتا ہے) سے تعلق کا دعوی کرتے ہیں جس نے خفیہ طور پر شری بادات کی بیٹی سے شادی کی۔

گلگت پر صدیوں تک مقامی ترا کھان سلطانوں نے حکومت کی۔ جس کا خاتمہ آخری ترا کھان حکمران راجا عباس کے انتقال پر 1810 کے قریب ہوا۔ گلگت بلتستان تبت کے مغربی حد پر ہے اس لیے اس کو چھوٹا تبت بھی کہا جاتا ہے۔ یہاں کے اصل باشندے بلتی تبتی 16 ویں صدی میں تبتی بدھ ازم سے اسلام میں داخل ہوئے۔ یہ مانا جاتا ہے کہ گلگت بلتستان تک طویل عرصہ زمینی رسائی نہ ہو سکی اور صرف ریاست جموں و کشمیر کے دشوار گزار علاقوں سے رسائی ممکن تھی جس کا پتا دونوں خطوں میں اسلام کے داخل ہونے کی تاریخ سے بھی لگتا ہے۔

اسلام اس خطے میں 13 ویں صدی میں پہنچا اور یہ اسماعیلی اسلام تھا۔ (اسماعیلی ملتان کے حکمران تھے غزنوی اور ان کے جانشینوں سے پہلے)۔ گلگت بلتستان فرقہ واریت اس دور کی پیداوار ہے۔ یہ علاقہ پوری تاریخ میں سب سے زیادہ پرامن علاقہ رہا ہے۔ کبراوی ایرانی صوفی میر سید علی ہمدانی (1314-1384)، جو کلاب سے گلگت آئے، کی تحریک آبادی کی بدھ ازم سے اسلام کی طرف منتقلی کی ایک بڑی تحریک تھی۔ لیکن آنے والے سالوں میں بڑے فرقوں کے درمیان مقابلہ کی فضا تھی اور ملک کے دیگر علاقوں سے آنے والے علماء نے اثنا عشریہ شیعہ اور سنی مسلک پھیلایا۔

خطے میں زیادہ شیعہ خصوصاً اسماعیلی آبادی کی کسی حد تک وجہ یہ ہے کہ مشرق وسطی اور بھارت میں طویل مدتوں تک انہیں سنی خلفاء اور سلطانوں نے تنگ کیا۔ اسی وجہ سے شیعہ پاکستان اور افغانستان کے دور دراز اور دشوار گزار علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ نوربخشیوں کی گلگت بلتستان میں موجودگی ان کو سید ہمدانی سے منسوب کرتی ہے جو کبراویا سلسلے کے پیروکار تھے جس کے بانی 13 ویں صدی کے نجم الدین کبرا تھے۔ ان کی ایک نسل نوربخشی کبراوی نے شیعہ اسلام اختیار کیا اور اس لیے محمد نوربخش کی وجہ سے یہ نوربخشی کہلائے۔ برطانوی دور حکومت میں گلگت بلتستان کے عوام کشمیر سے مکمل الگ رہ رہے تھے اور ان کا انتظام ان کے اپنے سالار وں چلا رہے تھے۔

گلگت بلتستان کا مسلکی نقشہ

خطے کی قریبا 75 فیصد آبادی شیعہ مسلک سے تعلق رکھتی ہے جو ملک کے دیگر حصوں کے عین برعکس ہے۔ یہ شمالی علاقوں کو سنی اکثریتی پاکستان میں واحد شیعہ اکثریتی انتظامی یونٹ بناتا ہے۔ گلگت بلتستان میں چار فرقے ہیں۔ شیعہ، نوربخشی اور اسماعیلی فرقے امامت پر یقین رکھتے ہیں جو ان کے مطابق حضرت محمدﷺ کے بعد حضرت علی اور ان کے نرینہ اولاد سے چلتی ہے۔ جبکہ سنی خلافت پر یقین رکھتے ہیں ان کے مطابق ابوبکر، عمر، عثمان اور علی حضرت محمدﷺ کی رحلت کے بعد خلفاء تھے۔

i۔ شیعہ گلگت بلتستان کا اکثریتی فرقہ ہے۔ جو گلگت، اسکردو اور گھانچے اضلاع میں اکثریت میں ہیں پہلے دو اضلاع خطے میں سب سے زیادہ آبادی والے اضلاع ہیں۔ استور اور گزر اضلاع میں شیعہ اقلیت میں ہیں۔

ii۔ سنی گلگت بلتستان میں دوسری بڑی اکثریت ہے۔ ان کی دیامیر ضلع میں سو فیصد آبادی ہے جبکہ یہ استور، گلگت، گزر اور اسکردو میں بھی موجود ہیں۔

iii۔ اسماعیلی ضلع گزر اور سب ڈویژن ہنزہ میں اکثریت میں ہیں جبکہ اسکردو میں اقلیت میں ہیں۔

vi۔ نوربخشی صرف اسکردو اور گھانچے میں موجود ہیں جہاں وہ گھانچے میں اکثریت میں ہیں۔

فرقوں کے مطابق آبادی کی تقسیم

بلتستان میں معمولی فرق کو نظر انداز کرتے ہوئے دیگر علاقوں میں فرقہ کے مطابق آبادی کی تقسیم کچھ یوں ہے۔

i۔ گلگت میں 60 فیصد شیعہ، 40 فیصد سنی

ii۔ ہنزہ میں 100 فیصد اسماعیلی

iii۔ نگر میں 100 فیصد شیعہ

iv۔ پونیل میں 100 فیصد اسماعیلی

v۔ یاسین میں 100 فیصد اسماعیلی

vi۔ اشکومان میں 100 فیصد اسماعیلی

vii۔ گوپس میں 100 فیصد اسماعیلی

viii۔ چلاس میں 100 فیصد سنی

ix۔ داریل/تنگیر میں 100 فیصد سنی

x۔ استور میں 90 فیصد سنی، 10 فیصد شیعہ

xi۔ بلتستان میں 96 (یا 98) فیصد شیعہ، 2 فیصد نوربخشی، 2 فیصد سنی

کچھ ذرائع کے مطابق مجموعی صورتحال یہ ہے، شیعہ 41 فیصد، سنی 32 فیصد، اسماعیلی 17 اور نوربخشی 10 فیصد۔

سیاسی نظام

گلگت بلتستان کا انتظام گلگت بلتستان قانون ساز اسمبلی چلاتی ہے جن کے ممبران عام انتخابات کے ذریعے منتخب ہوتے ہیں۔ زیادہ تر پاکستان کی اہم سیاسی جماعتوں کی شاخیں گلگت بلتستان میں ہیں اور قانون ساز اسمبلی میں ان کی نمائندگی ہے۔ ممبران جماعتی بنیادوں پر منتخب ہوتے ہیں لیکن مختلف علاقوں میں فرقوں کی جیوگرافیکل صورتحال کی وجہ سے فرقہ بندی واضح ہے۔ گلگت بلتستان قانون ساز اسمبلی میں پارٹی پوزیشن نیچے ٹیبل میں دی گئی ہے اسی طرح علاقائی انتظامیہ پر فرقہ بندی حاوی ہے۔

ٹیبل 1۔ سیاسی جماعتوں کی پوزیشن

نمبر	سیٹیں	سیاسی جماعتیں					کل
		پی پی پی	پی ایم ایل	پی ایم ایل این	آزاد	جے یو آئی ایف	
1	جنرل	12	3	2	3	4	24
2	خواتین	4	1			1	6
3	ٹیکنوکریٹ	2				1	3
	کل	18	4	2	3	6	33

فرقہ وارانہ تنازعہ کا آغاز

تقسیم سے قبل برطانوی راج 1857 سے 1947 کے دوران شیعہ سنی تنازعہ کو مکمل طور پر ختم کرنے میں کامیاب رہا۔ تکفیر کے قانون کا تسلیم نہ کرنے اور مسلم فیملی لاء میں دونوں فرقوں کو الگ کر کے 7ویں صدی سے اٹھنے والے تنازعہ کو تقریباً ختم کر دیا۔ اس لیے گلگت بلتستان میں فرقہ وارانہ تنازعہ تقسیم کے بعد شروع ہوا۔

پاکستان نے گلگت بلتستان کا انتظام 16 نومبر 1947 کو سنبھالا اس کے بعد کافی عرصے تک علاقے کا آئینی تشخص غیر واضح ہی رہا اور یہ صورتحال گلگت بلتستان ایمپاورمنٹ آرڈر 2009 تک رہی۔ اسی لیے سیاسی خلا رہ جانے کے باعث شمالی علاقہ جات عام طور پر سیاسی لائنوں پر استوار نہیں ہو سکا۔ اس سے ان کی فرقہ وارانہ بنیادوں پر تقسیم اور تنظیم آسان ہو گئی۔

اگلی کئی دہائیوں میں شیعہ سنی تقسیم مزید مضبوط ہو گئی۔ فرقہ کی بنیاد پر بننے والی جماعتوں کو زیادہ پزیرائی ملی۔ گلگت بلتستان میں فرقہ وارانہ تشدد 60 اور 70 کی دہائیوں میں شروع ہوا جب شیعہ اور سنی مذہبی رہنماوں نے باہمی لعن تعن کی مہم شروع کی۔ ملک کے جمہوری منتخب وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں اہم انتظامی تبدیلیاں عمل میں لائی گئیں۔ ایجنسی سسٹم اور ایف سی آر کے قانون کا 1974 میں خاتمہ کر دیا گیا اور گلگت بلتستان کو ملک کے دیگر علاقوں کی طرح اضلاع میں تقسیم کیا گیا۔ ریذیڈنٹ کو ریذیڈنٹ کمشنر بنا دیا گیا اور پولیٹیکل ایجنٹ ڈپٹی کمشنر بن گئے۔ 1974 میں ناردرن ایریا ایڈوائزری کونسل کو ناردرن ایریا کونسل میں تبدیل کر دیا گیا۔ جن کے ممبران کو بالغ رائے دہی سے منتخب کیا گیا۔

ناقدین کی رائے میں 70 کی دہائی میں ان خطوں کو پاکستان سے منسلک کرنے سے انارکی پھیلی۔ سب سے پہلے انتظامیہ نے State Subject Rule کو منسوخ کیا، جو اس وقت تک مقامی ڈیموگرافک ساخت کو تحفظ دیتا تھا، جس سے پاکستان کے سنی شہریوں کو گلگت شہر میں آباد ہونے کا موقع ملا۔ اس حکومتی سپانسر کردہ اسکیم سے سماجی ڈھانچہ خراب ہوا اور مذہبی شعلوں کو ہوا ملی۔ اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ گلگت میں شیعہ سنی تنازعہ مقامی سماجی صورتحال کے باعث ہے جو تقسیم، حکومت پاکستان کی پالیسیوں اور علاقائی پالیسیوں کے باعث آبادی کی نقل و حمل کی وجہ سے پیدا ہوئی۔

شیعہ اکثریتی گلگت میں، جس کا انتظام براہ راست اسلام آباد سے چلایا جاتا تھا، ریاست نے اس کے ڈیموگرافک، سماجی اور معاشی بیلنس کو سنیوں کے حق میں تبدیل کرنے کے اقدامات کیے۔ جس شیعہ منحرف ہوئے اور تشدد کو ہوا ملی۔ نوشین علی نے ریاست سازی کے ریگولیٹری عمل کی تحقیق کی۔ ان کی رائے میں ریاست جو اپنا سرکاری مذہب اسلام کو قرار دیتی ہے سنی مسلک کو اسلام قرار دیتی ہے شمالی علاقوں کے شیعہ اکثریت میں اس سے بہت بے چینی پھیلتی ہے۔ ان کا مزید کہنا ہے کہ اس مختلف مسلمان کو بھارت سے آزاد کرانے والی اس اسٹریٹیجک خطے کو کھونے کا خوف ہے جو انہوں نے بڑی کشمیری جدوجہد یا مقامی قومی جدوجہد کے ذریعے آزاد کرائی۔ اسی باعث پاکستانی ریاست شمالی علاقوں پر اپنا مضبوط کنٹرول چاہتی ہے۔

یہ اسی کنٹرول کے منصوبے کا حصہ ہے کہ 1972-1974 میں خطے کی آزادانہ سلطنتوں کو ختم کر کے ایک انتظامی خطہ بنایا گیا جسے شمالی علاقہ جات کا نام دیا گیا۔ اس کے بعد نوشین کی رائے میں ریاستی اداروں جیسے آرمی، انٹیلیجنس اداروں اور کا بیوروکریسی نے تقسیم کرو اور فتح کرو کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے فرقہ وارانہ پیدا کر کے اتحاد کو ختم کیا گیا۔ اس تقسیم کرو اور فتح کرو کی پالیسی سے پہلے شیعہ اور سنی مذہبی تنظیموں کو سپانسر کیا گیا جسے سیاسی توانائی اور معاہدے کو ختم کرنے کے لیے فرقہ واریت پھیلانے کے لیے استعمال کیا گیا۔ دونوں فرقوں کے مولویوں کو انٹیلیجنس اداروں نے دوسرے فرقوں کے خلاف وال چاکنگ، مساجد کے لاوڈ اسپیکر اور کتابوں کے ذریعے تفرقہ پھیلانے کے لیے رقم مہیا کی۔ اسی قسم کا جائزہ برطانیہ کے فنڈز سے کی جانے والی اسٹڈی گروپ نے بین السذاہب ریسرچ پروگراموں میں دی جس میں دعوی کیا گیا کہ گلگت بلتستان میں شیعہ اکثریت کے خاتمے اور ریاست کی سلامتی میں اس سرحدی خطے کی اہم پوزیشن کی وجہ سے علاقے کی سماجی حیثیت کو اپنی مرضی سے تبدیل کی جانے کا منصوبہ بنایا گیا۔

1973 کے بعد گلگت بلتستان میں شیعہ اور سنیوں میں دائمی کشیدگی رہی۔ گلگت کشیدگی کا مرکز رہا جہاں دونوں فرقوں میں عاشورہ کے راستے اور مختلف مواقع پر شیعہ کی جانب سے کونوڈاس پہاڑی پر جلوس پر اختلافات رہے۔ سنیوں نے عاشورہ کے روایتی راستے پر اعتراض کرنا شروع کیا کیونکہ اس کی راہ میں جامع مسجد آتی ہے اور کونوداس کے علاقے میں جلوس پر اعتراض کیا کیونکہ وہاں سنی اکثریت ہے اور ان کا دارالعلوم کونوڈاس کے علاقے میں ہے۔ گلگت میں سنی اقلیت میں ہیں۔ کشیدگی کے دنوں میں چلاس اور کوہستان کے سنیوں نے ان کی مدد کی۔

تاہم 70 کی دہائی کے وسط میں ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں گلگت بلتستان میں پہلا فرقہ وارانہ تصادم ہوا۔ جب سنیوں نے شیعوں کی جانب سے سڑک کے وسط میں اسٹیج بنانے اور تقریریں کرنے پر اعتراض کیا۔ اس اعتراض پر بھٹو نے شیعوں کو اس عمل سے روک دیا۔ شیعوں نے ناراضگی کا اظہار کیا جس پر پولیس نے فائرنگ کی جس سے بہت سے زخمی ہوئے جس کے نتیجے میں ہلاکتوں، احتجاج، اغوا اور توڑپھوڑ کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ شمالی علاقوں میں فرقہ وارانہ تفریق کا وہ مطلب یا نتائج نہیں تھے جو آج سامنے آتے ہیں۔ شمالی علاقہ جات کے گلگت ضلع میں 1970 سے پہلے کا دور مل بیٹھ کر رہنے کا تھا اور لوگ زیادہ تر ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے حتیٰ کہ ایک دوسرے کے مذہبی تقریبات میں شرکت بھی کرتے اور دوسرے فرقوں میں شادیاں عام بات تھی جس کے نتیجے میں شمالی علاقہ جات میں آج بہت سے خاندان ایسے ہیں جن کے افراد مختلف فرقوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

فرقہ واریت کی تشکیل میں مذہب کا کردار شیعہ سنی بحث میں مرکزی حیثیت کا حامل ہے۔ نوید شہزاد نے، جو کہ ایک پیدائشی سنی ہے، فرقہ وارانہ امور پر فیلڈ ریسرچ کے دوران جائزہ لیا۔

"میں نے بہت سے مقامی افراد کے انٹرویو کیے، ان میں سے اکثریت کا ماننا ہے کہ مذہب نے کبھی فرقہ وارانہ تشدد میں اہم کردار ادا نہیں کیا کیونکہ سنی اور شیعہ صدیوں سے پرامن طریقے سے ساتھ رہ رہے ہیں۔ اگر مذہب کا تشدد میں کردار ہوتا تو ایسا ماضی میں بھی ہوتا لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اگرچہ مناظروں اور زبانی تنازعات کے ثبوت موجود ہیں اور وہ بھی زیادہ تر شیعوں کے ذیلی فرقوں میں جانوروں کو ذبح کرنے پر ہوتے رہے"۔

گلگت بلتستان میں مذہب کے غلط استعمال کے حامی اپنی بات کی حمایت میں کئی دلائل دیتے ہیں۔ سیما سخاوت کی رائے میں چونکہ خطے کو مناسب اختیارات سے محروم رکھا گیا اور تمام اعلیٰ عہدے دار سنی فرقے سے رہے اس لیے اس میں کوئی اچھنبا نہیں کہ خطہ فرقہ واریت کا گڑھ بن گیا اور شیعہ بار بار نشانہ بنائے گئے۔ کرسٹائن فیئر (Christine Fair) کا اصرار ہے کہ جنرل ضیاء کی حکومت کی اسلامائزیشن نے پاکستان کے عام تعلیمی ماحول کو خراب کیا۔ انہوں نے افغان مہاجر کیمپوں میں جدید سکولوں کے بجائے مدرسے قائم کیے۔ مہاجرین کو سکول چاہیے اور مقابلے کے لیے مجاہدین۔ مدرسے کسی حد تک تعلیم کی ضرورت پوری کرتے تھے لیکن یہ مانا گیا کہ یہ تحریک کے مراکز کا بھی کام کریں گے۔ ایشیاء ٹائمز میں اے جے سہائی لکھتے ہیں کہ فرقہ واریت کے بیج بو دیئے گئے جنرل ضیاء کے اقتدار میں صورتحال ڈرامائی حد تک خراب ہوئی۔ جب فوجی آمر نے انتہا پسند سنی جماعت سپاہ صحابہ کو اپنی سرگرمیاں گلگت بلتستان تک بڑھانے کی حوصلہ افزائی کی۔ مئی 1988 میں گلگت میں مقامی بغاوت پھوٹ پڑی جس میں لوگوں نے زیادہ حقوق کا مطالبہ کیا۔ ضیاء الحق نے نہ صرف پاکستان کے دوسرے علاقوں سے لوگوں کو شمالی علاقہ جات میں ہجرت کرنے کی حوصلہ افزائی اور سہولیات فراہم کیں بلکہ انتہا پسند سنی جماعت انجمن سپاہ صحابہ کو اس علاقے میں اپنا سیٹ اپ قائم کرنے میں مدد فراہم کی اور بڑی تعداد میں مدرسے شروع کیے گئے جس میں مقامی سنیوں کو دیوبندی وہابی مسلک کی مذہبی تعلیم دی گئی اور شیعہ عسکریت پسندوں سے نمٹنے کے لیے سابق فوجیوں کے ذریعے فوجی تربیت فراہم کی گئی۔

ضیا دور میں کئی طریقوں سے فرقہ واریت کو فروغ دیا گیا۔ جس سے شیعہ آبادی میں یہ رائے قائم ہوگئی کہ حکومت تیزی سے سنی حنفی ریاست کے قیام کی طرف بڑھ رہی ہے جس میں اسلامی قوانین غالب فرقے کے اسلام کا مظہر ہوں گے۔ 1980 میں ہزاروں شیعوں نے زکواۃ و عشر آرڈیننس کے خلاف حکومتی سیکریٹریٹ اسلام آباد کا گھیراؤ کر لیا جو ان کی ضیا کے اسلامائزیشن کے خلاف واضح خدشات کو ظاہر کرتا ہے۔ سوویت جارحیت کے خلاف منتخب افغان گروپوں کی مدد ایک بار پھر فرقہ وارانہ ترجیح کو ظاہر کرتی ہے جس سے دونوں اطراف میں تقسیم کے خدشات مزید مضبوط ہوتے ہیں۔

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اقتدار میں آنے کے بعد ضیا نے اپنا فوجی اقتدار مضبوط کرنے اور سنی اسلامی جماعتوں اور دیوبندی گروہوں کی مدد سے افغانستان اور بھارتی مقبوضہ کشمیر میں جہاد کو فروغ دینے کے لیے نظام مصطفیٰ کے نام پر شریعت نافذ کی جو زیادہ تر شیعہ مخالف تھی۔ کچھ سکالرز کی رائے میں یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ ضیا کے گیارہ سالوں میں اسلام کو فروغ ملا یا قومیت پرستی کو۔ ایسے معاملات میں ثبوت ملنا عمومی طور پر دشوار ہوتا ہے۔ ہاں مڈل کلاس کے بعض حلقے ایسے خیالات، دائیں بازو کے خیالات، کا بھرپور اظہار کرتے رہے اس کے دور میں بھی اور بعد میں بھی۔ یہ کوئی اتفاق نہیں کہ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ، سپاہ صحابہ اور ایم کیو ایم سب ضیا دور کی پیداوار ہیں۔

گلگت بلتستان میں 80 کی دہائی نے فرقہ وارانہ ماحول کے قیام میں اہم کردار ادا کیا۔ پہلے 80 کی دہائی کے آغاز میں سکردو میں حکومت کی سرپرستی میں شیعہ سنی اور شیعہ نوربخشی فساد ہوئے جس سے سیاسی و سماجی علیحدگی کو فروغ ملا۔ لیکن زیادہ اہم یہ ہے کہ گلگت بلتستان کی تاریخ میں مئی 1988 میں ہونے والے فسادات سے مکمل عدم اعتماد کی فضا قائم ہو گئی۔ شیعوں کی طرف سے چاند دیکھنے اور عیدالفطر منانے، جبکہ سنی تا حال روزہ رکھ رہے تھے کیونکہ ان کے رہنماؤں نے چاند نہیں دیکھا تھا، سے فسادات بھڑک اٹھے۔ جس کے نتیجے میں ان پر حملے ہوئے جنہوں نے روزہ نہیں رکھا تھا۔ بعد میں شیعہ اکثریت کے کئی گاؤں پر خطے کے باہر کے ہزاروں سنی مسلح افراد نے بڑے پیمانے پر حملے کیے۔ ان کے گھر جلا دیئے اور 9 پولیس والوں سمیت 93 افراد ہلاک ہو گئے۔ جواب میں شیعوں نے بھی دس سنی ہلاک کر دیئے۔ آزاد ذرائع شیعوں کی ہلاکت کی تعداد 700 بتاتے ہیں۔ "حملہ مکمل طور حکومت سپانسر تھا کیسے حملہ آوروں نے پہلے این ڈبلیو ایف پی سے گلگت تک بغیر رکاوٹ کے پہنچنے کی اجازت دی گئی دوسرے انہیں یہ خون ریزی کرنے کی اجازت کیسے دی گئی؟ جلال آباد کے ایک شیعہ رہنما نے سوال کیا۔ سنیوں نے حکومتی سازباز کو رد کیا اور اصرار کیا کہ غلطی دونوں اطراف کی تھی۔

اگرچہ غیر حتمی دعویٰ ہے لیکن Senge Sering کے مطابق چین، سوویت یونین اور بھارت کے درمیان واقع اس اسٹریٹیجک نوعیت کے خطے کی طاقت کے ذریعے ڈیموگرافک صورتحال تبدیل کرنے کی نیت تھی۔ دفاع میں وہ مثال دیتا ہے کہ ایک دہائی پہلے گلگت کے دونوں حلقوں سے شیعہ ممبران مقامی کونسل میں منتخب ہوئے۔ ڈیموگریفک تبدیلی سے صورتحال سنیوں کے حق میں ہو گئی 2004 میں گلگت شہر کے ووٹروں نے سنی امیدواروں کو کامیاب کرایا۔ گلگت 1 حلقہ کے شیعوں کو مزید کم کر دیا گیا جب نومال کی بڑی شیعہ آبادی کو گلگت 4 حلقہ میں منتقل کر دیا گیا۔ جس سے آبادی کا تناسب برابر ہو گیا تب سے شیعہ اور سنی امیدواروں کے درمیان کانٹے کا مقابلہ ہوتا ہے۔ اہم نکتہ عمری کا ووٹ بنک ہے جہاں شیعہ اور سنی آبادی ملی جلی ہے فرقہ وارانہ تناسب کی تبدیلی سے سنی امیدوار کو فائدہ پہنچے گا۔ اسی طرح گلگت 2 میں پٹھانوں اور پنجابیوں کی آباد کاری سے صورتحال تبدیل ہوئی اور پہلی دفعہ 2004 کے عام انتخابات میں مضبوط پیپلز پارٹی نے مسلم لیگ کے امیدوار حافظ رحمان کی حمایت کی جو یہ انتخابات 500 ووٹ کے معمولی فرق سے جیت گئے۔

حال میں جاری ہونے والی ووٹر لسٹ کے مطابق میں پچھلے پانچ سالوں میں ووٹرز کی تعداد میں 80 فیصد اضافہ ہوا گلگت 1 (28,146 سے 47,835) ہوا اور گلگت 2 میں (34,517 سے 62,048) اضافہ ہوا۔ ایک اور حالیہ رپورٹ کے مطابق جنوری 2001 میں پرانی آبادی کی شرح 1:4 (مقامی: غیر مقامی) تھی جبکہ اب تبدیل ہو کے 3:4 (مقامی: غیر مقامی) ہو گئی ہے۔ اس دلیل کو کسی حد تک کرائسس گروپ کی رپورٹ نے کم کیا ہے جس میں بیان کیا گیا کہ 1986 میں قراقرم ہائی وے کی تعمیر اور چین کے ساتھ تجارت کھلنے کے بعد فرقہ وارانہ ٹینشن بڑھی ہے جس کی وجہ این ڈبلیو ایف پی (خیبر پختونخواہ) اور پنجاب سے سنی آبادکاروں کے گلگت میں کاروبار قائم کرنا ہے۔ اس ست ڈیموگریفک بیلنس خراب ہوا اور شیعہ کی ناراضگی میں اضافہ ہوا۔ 1988 سے پہلے فرقہ وارانہ تناؤ کم تھا اور مسلح کشیدگی نہیں ہوئی تھی۔ باہمی شادیاں عام تھیں اور رشتہ داریاں فرقہ وارانہ اختلافات پر حاوی تھیں۔ تاریخی طور پر بھی لسانی روابط اور قبائلی وفاداریاں فرقہ وارانہ تشخص پر حاوی تھیں تاہم 1988 کے بعد گلگت ایک پر امن سیاحتی مقام سے شیعہ اور سنی عسکریت پسندوں کا میدان جنگ بن گیا۔

1988 کے بعد فرقہ واریت تنازعہ نے نیا رخ اختیار کیا خاص طور پر جب افغانستان سے سوویت یونین کے انخلاء کے بعد جہاد کو وطن واپس لایا گیا۔ 1997 میں عام شہریوں پر بلا اشتعال فائرنگ کا سلسلہ شروع ہوا جن کی کوئی فرقہ وارانہ سرگرمی نہیں تھی اور ان کا قصور شیعہ یا سنی ہونا تھا اور ادلے بدلے میں ڈاکٹروں، تاجروں اور وکیلوں کو ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بنایا گیا۔

لیری گڈسن کو یقین ہے کہ عسکریت پسند مذہبی دائیں بازو میں اضافے کے پاکستان کے افغانستان میں 90 کی دہائی کی (80 کی دہائی کی بھی) پالیسی کے ساتھ مل کر پاکستان کی سیاست اور سول سوسائیٹی کو بری طرح بگاڑ دیا ہے۔جس کے نتیجے میں پاکستانی سیاست میں عوامی مقاصد اور سماجی پالیسی پر فوکس کو کم کر دیا ہے۔اس لیے 1988 سے پہلے کا دور کبھی واپس نہیں آ سکتا۔بلکہ دونوں اطراف نے غیر قانون اسلحہ اور گولا بارود اکھٹا کرنا شروع کر دیا۔رپورٹس کے مطابق دونوں طرف سیکڑوں غیر قانونی چھوٹے اور بڑے ہتھیار ہیں۔

شیعہ کے نکتہ نظر میں زیادہ تر تشدد ریاست کی طرف سے ہے تا کہ وہ سیاسی نمائندگی اور مکمل خود مختاری کو روک سکیں۔1988 میں سنیوں اور اثنا عشریہ شیعوں کے جھگڑوں کے بعد امن کی بحالی کے لیے بریگیڈئر (بعد میں صدر) مشرف کی قیادت میں آرمی آپریشن کیا گیا جن پر الزام ہے کہ انہوں نے سنی پٹھانوں اور افغان قبائلی عوام کو گلگت میں ہجرت کرنے میں مدد دی۔احمد کے مطابق پاکستان کے شمالی علاقہ جات میں فرقہ وارانہ تشدد کو روکنے میں وقت لگے گا جس نے 1988 سے خطے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔

گلگت کا ڈیموگرافک بیلنس ایسا ہے کہ شیعہ اور سنی ووٹ بنک کا ایسا تناسب ہے جیسا عراق کا۔لیکن اس کا زیادہ سبب حکومت کی جانب سے خطے کو ایک سیاسی تشخص نہ دینا ہے۔آرمی نے گلگت بلتستان کا کنٹرول سنبھال رکھا ہے کیونکہ یہ کشمیر کی اسٹریٹیجک خطے کے ساتھ ہے۔1999 کے کارگل آپریشن کے دوران، جو شمالی علاقہ جات کو بیس کیمپ بنا کر کیا گیا، فرقہ وارانہ تشدد کے لیے ایک بار پھر میدان مہیا کیا گیا جو نئی صدی میں بھی جاری رہا۔جو ملیشیا پاکستان میں کارگل میں استعمال کی وہ سب شیعہ کلر تھے۔

خطے کا تشخص، ایک تبدیلی جس سے فرقہ وارانہ کشیدگی میں کمی آئے گی صحیح ہونا مشکل ہے جب تک کہ بھارت کے ساتھ کشمیر کا تنازعہ حل نہیں ہو جاتا۔عباس رشید لکھتے ہیں کہ موجودہ منظم فرقہ وارانہ تشدد کی صورتحال کا کھوج 1988 میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے رہنما عارف حسین الحسینی کے قتل سے لگایا جا سکتا ہے۔دیگر اس کو 1987 سے اہل حدیث کے رہنماوں علامہ احسان الٰہی ظہیر اور مولانا حبیب الرحمان یزدانی کو چھ دیگر کے ہمراہ مینار پاکستان پر جلسے میں قتل سے جوڑتے ہیں۔اس سے قبل 1986 میں لاہور میں شدید شیعہ مخالف فسادات ہوئے۔

کسی بھی صورت میں تشدد میں شدت فروری 1990 میں سپاہ صحابہ کے بانی حق نواز جھنگوی کے قتل سے آئی۔اس کے نتیجے میں پر تشدد لہر آئی جس سے درجنوں ہلاکتیں ہوئیں اور جھنگ میں کئی گھر اور دوکانیں جلا دی گئیں۔اس سال دسمبر میں لاہور میں ایرانی کونسل جنرل صادق گنجی قتل ہوا اور پاکستان میں فرقہ وارانہ تشدد کو عالمی توجہ ملنا شروع ہوئی۔

90 کی دہائی کے جمہوری ادوار میں گلگت فرقہ واریت سے آزاد نہیں ہو سکا لیکن نمائندہ ادارے اور جوابدہ عوامی حکومتوں نے کسی حد تک فرقہ وارانہ امن برقرار رکھا۔اسلام آباد سے دوری اور اپنی مشترکہ بقا کے لیے ایک مشترکہ پلیٹ فارم پر اکھٹے ہونے کی تحریک سے شیعوں نے تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کی حمایت کی۔جو پہلے ایک مذہبی جماعت تھی جو بعد میں ایک بھرپور سیاسی قوت بن گئی۔تحریک نفاذ فقہ جعفریہ اور پوری شیعہ برادری نے 1991 کے ناردرن ایریا کونسل کے انتخابات کا اس وقت کے کانا کے وزیر مہتاب احمد عباسی کے سنیوں کے حق میں گلگت کی حلقہ بندیاں کرنے پر بائیکاٹ کیا۔994 میں تاہم ایل ایف او کے پاس ہونے کے فوری بعد اور شیعوں کے باہر ہونے کی وجہ سے اسلام آباد نے جلد انتخابات منعقد کرائے جس میں ٹی این ایف جے نے 24 میں سے دس نشستوں پر کامیابی حاصل کی اور مخلوط حکومت میں شامل ہوئے۔اگر چہ اسلام آباد کی مقامی مذہبی جماعت کو رعاتیں دینے پر تنقید کی گئی۔مشرف حکومت تاہم فرقوں کے درمیان تصادم کا دیرپا حل تلاش کرنے میں ناکام رہی۔مانا جاتا ہے کہ کارگل کی جنگ نے اس عمل کو نمایاں کر دیا۔

دو بعد کے واقعات ضیا رضوی کے قتل اور درسی کتب کے معاملے نے بین المعاشرتی دراڑ کو مزید گہرا کر دیا۔جنوری 2005 میں آغا ضیا الدین کی موت بڑے پیمانے جھگڑوں کا سبب بنی جس سے چھ ماہ تک کرفیو اور ایمرجنسی نافذ رہی اور دو سو سے زائد جانیں ضائع ہوئیں۔لاکھوں روپے کی جائیداد تباہ ہو گئی۔اور سب سے زیادہ سماجی رواداری کو طویل المعیاد نقصان پہنچا۔درسی کتب کا تنازعہ (2000-2005) اس وقت شروع ہوا جب حکومت پاکستان نے شمالی علاقہ جات میں نئی سنی کتابیں متعارف کرائیں اور مقامی شیعہ آبادی نے زیادہ متوازن سلیبس کے لیے اشتعال انگیزی کی۔تنازعہ 2005-2004 میں اپنی انتہا کو پہنچا جب شیعہ اور سنی برادریوں میں پر تشدد مقابلہ شروع ہوا اور گیارہ ماہ کے کرفیو کی وجہ سے گلگت میں زندگی مفلوج ہو کر رہ گئی۔

کچھ کی دلیل یہ ہے کہ شیعوں کی درسی کتب کے خلاف تحریک صرف فرقہ وارانہ غصہ نہیں بلکہ طویل المیعاد علاقائی محرومی اور مذہبی دباو کے خلاف یہ ایک وسیع سیاسی اظہار تھا۔ اس لیے اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ شمالی علاقہ جات میں فرقہ وارانہ جذبات کی سیاست کو سمجھنے کی ضرورت ہے جو خطے میں غصے اور فرقہ واریت کی وجہ ہے۔ 2007 میں بین الاقوامی کرائسس گروپ کی رپورٹ میں قریباً یہی پیغام دیا گیا۔ اگرچہ 2005 کے تشدد کی فوری وجہ سکولوں کی اسلامی درسی کتب پر تنازعہ تھا فرقہ وارانہ تشدد کی حقیقی وجہ چھ دہائیوں سے حکومت پاکستان کی غلط حکمرانی ہے۔ فروری 2005 میں ناردرن ایریا کونسل کے ممبران کی بھرپور کوششوں کے بعد شمالی علاقہ جات کی سنی اور شیعہ جماعتوں نے چھ نکاتی امن معاہدے پر دستخط کیے۔ تنظیم اہل سنت والجماعت نے سنیوں کی جبکہ مرکزی انجمن امامیہ ناردرن ایریا نے شیعوں کی نمائندگی کی۔ انہوں نے فوری طور پر ایک دوسرے کے خلاف فتوے کے روکنے، فرقہ وارانہ ہم آہنگی بڑھانے اور دیگر معاملات کے حل پر اتفاق کیا۔ ہر ایک نے عاشورہ جلوس کے دوران امن وامان کو یقینی بنانے اور اکثریتی علاقوں میں اقلیتوں کو تحفظ دینے پر اتفاق کیا۔ یہ معقول بات ہے کہ تمام فرقہ پرست تنظیموں کے گلگت بلتستان میں جڑیں موجود ہیں اس طرح ملک کے باقی علاقوں میں نہیں ہیں۔

1988 سے دسمبر 2010 تک 117 فرقہ وارانہ کیس (قتل) رجسٹر ہوئے، 74 چالان ہوئے جن میں 15 کینسل ہوئے 10 نامکمل رہے اور 15 کی تحقیقات باقی ہیں۔ اس میں اقدام قتل کے 170 کیس شامل نہیں۔ اسماعیلیوں کے علاوہ دیگر تمام فرقوں کی ہلاکتیں تقریباً برابر ہیں۔ پولیس ریکارڈ کے مطابق سنیوں زیادہ زخمی ہوئے۔ 90 کی دہائی میں قریباً ہزار افراد ہلاک ہوئے۔ حادثوں، اموات اور زخمیوں کی تعداد 1990، 1994، 1998 اور 2001 میں سب سے زیادہ رہی۔ تب سے فرقہ وارانہ تشدد کم تسلسل سے ہوا۔

خاص طور پر 2008 کے بعد امن رہا ہے اگرچہ سنی حملوں نے اسماعیلی آغا خان فاونڈیشن کے دفاتر اور سٹاف کو نشانہ بنایا جو دیہی علاقوں میں کامیابی سے غیر فرقہ وارانہ ترقیاتی پروگرام کامیابی سے چلا رہے ہیں۔ 2009 سے پیپلز پارٹی کی قیادت میں منتخب حکومت قائم ہے اور سکون برقرار ہے۔ سنائپر شوٹنگ ٹارگٹ کلنگ کا طریقہ کار رہا ہے۔ اگست 2009 میں جب بین سپاہ صحابہ کارکن علی شیر حیدری سندھ میں قتل کردیا گیا گلگت میں فسادات پھوٹ پڑے جس سے دوکانیں بند ہو گئیں اور شیعہ اور سنیوں کے درمیان بڑے پیمانے پر ہتھیاروں سے لڑائی ہوئی۔ اگرچہ بڑے کردار شیعہ اور سنی ہیں لیکن خطے کے اسماعیلی بھی نشانہ بنتے رہے۔

بیرونی محرکات کے اثرات

افغانستان میں سوویت مداخلت کے ساتھ انقلاب ایران نے شیعہ برادری کو مکمل تبدیل کردیا اور قیادت کے خدوخال بدل دیئے جو پہلے صرف ذاکروں کے ہاتھوں میں تھی جو مجلسوں کے ذریعے کنٹرول کرتے تھے۔ انقلاب کے بعد اور ایران عراق جنگ کے دوران، جو پاکستان میں شیعہ اور سنی کی جنگ کے طور پر دیکھی گئی، ایران نے پاکستانی شیعوں پر بہت پیسے خرچ کیے اور ہر بڑے شہر میں ثقافتی مرکز کھولے۔ بہت سی شیعہ طلباء تنظیمیں خصوصاً نچلے طبقے سے تعلق رکھنے والے ایران میں وظیفہ پر پڑھنے گئے اور متاثر واپس آئے۔

اسی عرصے میں علماء کی ایک نئی نسل جو کہ پختون قبائلی علاقوں اور گلگت بلتستان سے تعلق رکھتی تھی نجف اور قم سے پڑھ کر آئی جہاں انہوں نے مشرق وسطی کے شیعوں خصوصاً لبنانی شیعوں سے تعلقات پیدا کیے۔ وہ 80 کی دہائی کے آغاز میں پاکستان آئے اور ایرانی فنڈز سے مدرسے کھولے۔ ان علماء نے جلد شیعہ معاشرت کا کنٹرول سنبھال لیا۔ انہوں نے روایات کو تبدیل کیا اور پرانے ڈھانچے کو سیاسی طرز پر استوار کیا۔ ایران سے متاثرہ ہونے کا اثر لباس پر بھی نظر آیا اور کالی قبا اور کالی پگڑیاں عام دکھائی دینے لگیں۔

ایران کے مالی تعاون سے انہوں نے شیعہ عسکریت پسند تنظیمیں بنائی تاکہ سنی انتہاپسندوں کا مقابلہ کرسکیں۔ پاکستان آرمی سے ریٹائر ہونے والے شیعہ افسران نے نوجوانوں کو تربیت دینا شروع کی۔ انقلاب ایران نے پاکستانی شیعہ کو متاثر کیا اور ان کا سیاست میں عمل دخل بڑھا لیکن اس کا نقصان یہ ہوا کہ اس کے اثرات کو روکنے کے لیے سعودی عرب، عراق اور کویت نے پاکستان میں وہابی اور دیگر غیر شیعہ کو مدد فراہم کرنا شروع کردی۔ فرقہ وارانہ تفریق میں عسکریت پسندی اس طرح بڑھی جو پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی تھی۔

فرقہ وارانہ تشدد کا پھیلاؤ افغان جنگ اور اس کے خاتمے پر طالبان کے ابھرنے کا نتیجہ ہے۔ پرانی دشمنیوں کو ہوا ملی اور ملک عدم استحکام کا شکار ہوا۔ علامہ عارف حسین الحسینی پاراچنار کے طوری پختون تھے جو قم نجف سے پڑھے انہیں انقلاب ایران کے بعد شیعوں کو منظم کرنے کے لیے پاکستان بھیجا گیا۔ 1984 میں مفتی جعفر کے انتقال کے بعد وہ 1979 میں بھکر میں قائم ہونے والی تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے سربراہ بن گئے۔ شیعہ رہنماؤں نے ضیا کی سنی اسلامائزیشن کی پالیسیوں سے خطرہ محسوس کرتے ہوئے اپنی الگ شناخت (شیعہ قوم) کے لیے اسے تشکیل دیا تا کہ اپنے حقوق کا تحفظ کر سکیں اور سنی اکثریت اور حکومت کو فقہ جعفریہ کے نظریات کی مخالف شریعہ نافذ کرنے سے روکا جا سکے۔

یہ نا ہم یاد رکھا جائے کہ تمام بڑی شیعہ مذہبی جماعتیں جیسا کہ تحریک جعفریہ، پاسبان اسلام اور سپاہ محمد بالترتیب 1979، 1989 اور 1990 میں تشکیل پائیں۔ سنی (دیوبندی اور بریلوی) اور اہل حدیث بڑی فرقہ پرست جماعتیں زیادہ تر ان شیعہ جماعتوں کے ردعمل میں قائم ہوئیں۔

2006 میں القائدہ نے لشکر جھنگوی کو اپنا آلہ کار کے طور پر استعمال کرنے کے لیے منتخب کیا جس کے بعد بہت سے شہروں میں شیعوں کی ٹارگٹ، کلنگ کا نیا سلسلہ شروع ہوا ان شہروں میں لاہور، راولپنڈی، گوجرانوالہ، ملتان، خانیوال، لیہ، بھکر، جھنگ، سرگودھا، رحیم یار خان، کراچی، ڈیرہ اسماعیل خان، بنوں، کوہاٹ، پاراچنار، ہنگو، حیدرآباد، نواب شاہ، میرپور خان اور کوئٹہ شامل ہیں۔ 2007 کے عاشورہ میں ان میں کچھ شہروں میں باقاعدہ حملے کیے گئے جس میں ریاستی اہلکاروں بھی ہلاک اور زخمی ہوئے جنہیں پہلے سے وارننگ دی گئی تھی۔ گلگت، پاراچنار اور بنوں جیسے شہروں میں ایک قسم کی فرقہ وارانہ جنگ بڑے پیمانے پر شروع ہو گئی جو القائدہ کی فرقہ واریت تھی۔

یہ بیرونی محرکات پاکستان کی اندرونی سلامتی پر اثرانداز ہوتے ہیں محققین کا ماننا ہے کہ پاکستان کی مذہبی جماعتیں ہمیشہ سے فرقہ وارانہ نوعیت کی رہی ہیں اور ان کے علاقائی طاقتوں جیسے سعودی عرب اور ایران سے مالی اور نظریاتی روابط رہے ہیں۔ اس لیے وہ متقارب اداروں کے درمیان پل نہیں باندھ سکتے۔ پڑوسی ایران میں 1979 میں اسلامی انقلاب کے بعد شیعہ اسلام کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے ضیا نے انتہاپسند سنی جماعتوں کی طرف رخ موڑا، شیعہ مخالف عسکریت کو پروان چڑھایا جو خونی فرقہ وارانہ تشدد کا آغاز تھا۔

شیعوں کو ایرانی مدد پر تبصرہ کرتے ہوئے نوید شہزاد کا کہنا ہے کہ یہ عمل بغیر کسی سیاسی محرک کے بے مقصد ہے۔ خطے میں رہنے والے اسماعیلیوں کا وہ بلکہ بعض امور میں سنیوں سے زیادہ اختلاف ہے لیکن دونوں فرقے کبھی ایک دوسرے سے نہیں جھگڑے۔ اگرچہ چھوٹے موٹے واقعات ہوتے رہے ہیں لیکن کبھی بڑا واقعہ پیش نہیں آیا جہاں مسلح اور پرتشدد تنازعہ کھڑا ہو جیسا کہ خطے میں سنی اور شیعہ کے درمیان پیش آتے ہیں۔ کیونکہ اسماعیلیوں کی شیعہ (ایران) اور سنیوں (سعودی عرب، عراق، کویت) کی طرح کوئی بڑا محرک نہیں۔ دوسرا یہ کہ اسماعیلوں کو دوسرے فرقوں کو برداشت کرنے کا درس دیا گیا ہے اور اسماعیلوں کی کوئی سیاسی جماعت بھی نہیں ہے اسلیے مذہب کے نام پر اپنے ماننے والوں کو استعمال کرنا اسماعیلوں کے لیے ممکن نہیں۔ اگرچہ آغا خان (اسماعیلوں کے روحانی پیشوا) اور علاقے میں کام کرنے والی دیگر این جی اوز اسماعیلوں اور سنیوں میں فرق کرتی ہیں۔

موجودہ صورتحال، حریف اور مسائل

اس وقت گلگت بلتستان میں بے اطمینان سکون موجود ہے۔ ماحول تاہم پر فریب ہے۔ اسماعیلی اور نوربخشی نسبتاً پرامن ہیں۔ مستقل فرقہ وارانہ کشیدگی کی بڑی وجہ دونوں بڑے فرقوں میں قریباً ایک جتنی آبادی کا ہونا ہے۔ دارالحکومت ہونے کی وجہ سے گلگت سرگرمیوں کا مرکز ہے جہاں دونوں فرقوں کے لوگ ایک دوسرے کے ہمسائے میں رہ رہے ہیں۔

منظم جرائم نے جگہ بنالی ہے جس کی مثال بڑی پیمانے پر اسلحہ، گولہ بارود اور منشیات وغیرہ کا اکھٹا ہونا ہے جس سے فرقہ وارانہ تشدد کا خطرہ بڑھ رہا ہے۔ امن وامان کی بگڑتی ہوئی صورتحال کی وجہ سے سیاحوں کی تعداد کم ہوتی جا رہی ہے۔ 2010 میں صرف 3880 سیاح آئے جبکہ 2006 میں ان کی تعداد 13548 تھی۔ فرقہ وارانہ جرائم میں ملوث مجرموں کے لیے پولیس کے سرچ آپریشن معمول ہیں۔ جنوری سے دسمبر 2010 کے دوران 44 فرقہ وارانہ نوعیت کے کیس رجسٹر ہوئے۔

دوسرے فرقوں کے خلاف نفرت پیدا کرنے میں شعلہ بیان مقرروں اور متعلقہ فرقہ وارانہ جماعت کا اہم کردار رہا ہے۔متحارب گروہوں میں اہم مسائل درج ذیل ہیں ۔

1۔ سلیبس کا مسئلہ تشویش کی ایک بڑی وجہ ہے ۔دونوں فرقوں کا نقطہ نظر سننے کے بعد وفاقی سلیبس ریویو کمیٹی نے 14 مارچ کو مندرجہ ذیل فیصلے کیے۔

i۔ گلگت بلتستان کے اساتذہ کو بتایا جائے گا کہ متنازعہ امور پڑھاتے ہوئے دونوں فرقوں کا طریقہ کار طلباء کو سمجھایا جائے گا۔

ii۔ متنازعہ سوالات امتحانوں میں نہیں پوچھے جائیں گے ۔

iii۔ سول انتظامیہ وفاقی ریویو کمیٹی کے فیصلوں پر عمل درآمد کے لیے اقدامات کر رہی ہے۔

2۔ اہل تشیع کی طرف سے حضرت محمد ﷺ، حضرت علی، حضرت امام حسین اور امام مہدی کے یوم پیدائش پر جلوس نکالے جاتے ہیں ۔ماضی میں ان جلوسوں کی وجہ سے گلگت میں امن وامان کی صورتحال پیدا ہوئی جس کے نتیجے میں انسانی جانوں کا ضیاع ہوا اس سلسلے میں مرتب کردہ کوڈ آف کنڈکٹ پر عمل درآمد نہیں کیا گیا ۔2005 میں تنازعہ کو حل کرنے کے لیے قائم کیا گیا گرینڈ جرگہ موثر ثابت نہیں ہوسکا اور ختم ہو گیا۔

3۔ علموں کو ہٹانے اور ان کی جگہ تبدیل کرنے کے فیصلے پر عمل درآمد نہیں کیا گیا۔

4۔ 2005 کے امن معاہدے کے مطابق مشتعل کرنے والی وال چاکنگ ختم نہیں کی گئی۔

5۔ ایک عام جائزے سے پتا چلتا ہے کہ دونوں فرقوں کے علماء اور عمائدین درکار فہم وفراست نہیں رکھتے اور تناؤ کو ختم کرنے کے بجائے لوگوں کو بدلے کے لیے بڑھکاتے ہیں ۔ وہ متنازعہ امور کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں اور نماز جمعہ میں ایک دوسرے کو تنقید کا نشانہ بنانے کا کوئی موقع جانے نہیں دیتے جس سے امن وامان کی صورتحال خراب ہوتی ہے ۔اس لیے شیعہ اور سنی کی لڑائی میں جہاد کے فتوے عام بات ہو چکی ہے ۔دوسرے علاقوں سے آنے والے علماء پر بھی تنقید کی جاتی ہے کہ وہ فرقہ وارانہ نفرت پر مبنی خطبات دیتے ہیں۔

اختتامیہ

ماحولیاتی صلاحیتوں، حیاتیاتی تنوع اور چین کے ساتھ اہم رابطے کی وجہ سے گلگت بلتستان پاکستان کا اسٹریٹیجک اثاثہ مانا جاتا ہے ۔خطے میں تشدد کی وبا بہت گہرائی تک پھیل چکی ہے جس کی وجوہات میں بیمار ذہن سیاست، تنازعہ میں قومیتوں کے درمیان واضح عدم اعتماد، ریاست کی غلط حکمرانی اور بیرونی محرکات شامل ہیں ۔اراکین پارلیمنٹ کی نئی جنریشن کے آنے اور جمہوری اداروں کی مضبوطی سے یہ توقع پیدا ہوئی ہے کہ تنازعہ کے پائیدار حل کے لیے اسے مناسب توجہ دی جائے گی۔